میں امریکی فوجیوں نے بڑے پیمانے پر جو آبروریزی کی' اس کا ایک مطالعہ ہے۔ اس نے اپنا مسودہ ۲۰۰۱ء میں اشاعت کے لیے اپنے ناشر کو دیا تھا مگر نائن الیون کے بعد اس کے امریکی ناشر نے اسے دبا دیا اور ۲۰۰۳ء میں یہ کتاب پہلی مرتبہ فرانسیسی ترجمے کی شکل میں منظرعام پر آئی۔

سرخ فوج کا جنسی تشدد تو انتھونی بیور کے ذریعے ہمارے علم میں ہے لیکن ہم یہ نہیں جاننا چاہتے کہ امریکی اور برطانوی فوج نے کس بڑے پیمانے پر آبروریزی کی۔ للّی کے مطابق امریکی فوجیوں کے ہاتھوں عصمت دری کے کم از کم ۱۰ ہزار واقعات پیش آئے۔ دیگر ہم عصروں کا کہنا ہے کہ اس سے زیادہ وسیع پیمانے پر جنسی جرائم کا ارتکاب کیا گیا اور ان پر کوئی سزا نہ دی گئی۔ ٹائم میگزین کی ستمبر ۱۹۴۵ء کی رپورٹ کے مطابق: ہماری اپنی فوج نے اور ہمارے ساتھ ساتھ برطانوی فوج نے لوٹ مار اور آبروریزی میں پورا حصہ لیا...... ہم بھی زناکاروں کی فوج (army of rapists) سمجھے جاتے ہیں۔

برطانوی اور امریکی عوام دوسری جنگ عظیم کے صرف خوش گوار پہلو جانتے ہیں۔ فلمیں' عام تاریخی کتب اور سیاسی تقاریر جنگ کو اینگلو امریکی بہادری کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور سرخ فوج کا مرکزی کردار بھلا دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جنگ جمہوریت کے لیے تھی۔ امریکی یقین رکھتے ہیں کہ انھوں نے دنیا کے بچاؤ کے لیے جنگ لڑی۔ برطانوی سلطنت کے معذرت خواہوں' جیسے نائل فرگوسن کے لیے جنگ ایک ایسا غسل تھا جہاں فتوحات' غلامی اور استحصال کے صدیوں کے گناہ دھو دیے گئے۔ ہم ہمیشہ کے لیے اچھے لوگ قرار دے دیے گئے۔ ہم خوش خوش گا سکتے ہیں: دو عالمی جنگیں اور ایک ورلڈ کپ۔

یہ تمام ایک معصومانہ مذاق لگتا ہے لیکن حب الوطنی کے تخیلات کی دھار بڑی تیز ہوتی ہے۔ ہٹلر کے خلاف جنگ برائے خیر (good war) نے ۶۰ سال کی جنگ بازی کو جواز عطا کر دیا۔ یہ برطانوی اور امریکی طاقتوں کے لیے ایک اخلاقی بلینک چیک ہو گیا ہے۔ ہم فاشزم کے خلاف جنگ کی کھلی اور خفیہ اپیلوں کی بنیاد پر بم باری کرنے' مثلہ بنانے اور بغیر مقدمے کے جیل میں ڈالنے کے حق کا دعویٰ کرتے ہیں۔

جب ہم نوریگا' مائیلوسووچ اور صدام جیسے سفاک دوستوں سے اپنی دوستی ختم کرتے ہیں تو

ن کو ''ہٹلر'' قرار دے دیتے ہیں۔ ان کے خلاف ''جنگ برائے خیر'' میں تمام قابلِ مذمت کارروائیاں بھلائے جانے کے قابل ضمنی نقصان بن جاتی ہیں۔ سربیا اور عراق میں شہری ٹھکانوں کو تاخت و تاراج کرنا، ابوغریب اور گوانتاناموبے میں تعذیب، فلوجہ میں اجتماعی سزا کا جنگی جرم، سب ''جمہوریت کی قیمت'' کے نام پر بھولی بسری یادیں قرار دیے جاتے ہیں۔

ہمارا جمہوری استعمار یہ بات بھلانے کو ترجیح دیتا ہے کہ فاشزم کی اہم اینگلو امریکی جڑیں ہیں۔ ہٹلر کے خواب کی بنیاد برطانوی سلطنت تھی۔ نازی مشرقی یورپ میں اپنا امریکا اور آسٹریلیا بنانا چاہتے تھے جہاں نسلی صفائی اور غلاموں کی بے گار نے آبادکاری کے لیے زمین تیار کی۔ اور مغربی یورپ میں انھیں اپنے ہندستان کی تلاش تھی جہاں سے محاصل، مزدور اور فوجی حاصل کیے جاسکیں۔

جرمنی اور جاپان کے اپنے پڑوسی علاقوں میں بالادستی کے دعووں کو لاطینی امریکا میں امریکا کی استعماریت نے واضح مثالیں فراہم کیں۔ امریکی اور برطانوی اصلاحِ نسلِ انسانی کے کلیدی نظریہ ساز تھے اور انھوں نے نسلی تفریق کو قابلِ احترام بنا دیا۔ نظربندی کیمپ ایک برطانوی ایجاد تھے، اور عراق اور افغانستان میں گروہی مزاحمت کو کچلنے کے لیے فضائی طاقت کے استعمال میں پہل کرنے والے برطانوی تھے۔

ہم اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ برطانوی اور امریکی اشرافیہ نے فاشسٹوں کو مدد فراہم کی تھی۔ صدر بش کے دادا جن پر ۱۹۴۲ء میں، دشمن سے تجارت کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا، ان طاقت ور اینگلو امریکی لوگوں میں سے ایک تھے جو ہٹلر اور مسولینی کو پسند کرتے تھے اور ان کی مدد کے لیے جو کچھ ممکن تھا انھوں نے کیا۔ ان آمریتوں سے مصالحت خواہی کی سرکاری پالیسی تو برفیلے تودے کا محض نظر آنے والا سرا تھا، درحقیقت ان کو دی جانے والی عملی امداد بہت زیادہ تھی۔ فاشسٹ حکمرانوں کو واشنگٹن اور لندن میں انتہائی احترام کا مقام دیا گیا۔ ہنری فورڈ نے ہٹلر کی پیدایش پر ۵۰ ہزار مارک کا تحفہ دیا۔

ہم اس بات کو بہت کم یاد رکھنا چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے ۱۹۴۰ء میں جنگی جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ ڈرس ڈن (Dresden) کی تباہی، ایسا شہر جو عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور زخمیوں سے بھرا ہوا تھا اور جس کی کوئی فوجی اہمیت نہ تھی، شہری آبادیوں پر ہمارے بم باروں کے کیے ہوئے

مظالم کی سب سے زیادہ معروف مثال ہے۔ ہم جنگی قیدیوں کے ساتھ جاپانیوں کی بدنام بدسلوکی کو تو جانتے ہیں لیکن قیدی جاپانیوں کے قتل اور تعذیب کو یاد نہیں کرتے۔

جنگی نامہ نگار ایڈگار جونز نے ۱۹۴۶ء میں لکھا: ''ہم نے قیدیوں کو بے دردی سے گولی مار دی' ہسپتالوں کا صفایا کر دیا' لائف بوٹس پر گولے برسائے' دشمن شہریوں کو قتل کیا' زخمی دشمنوں کو ختم کر دیا' ہم نے زندہ انسانوں کو مُردوں کے ساتھ گڑھوں میں پھینک دیا' اور دشمن کی کھوپڑیوں کو اُبالا تاکہ ان سے گوشت نکل جائے اور ان کو میزوں کی زینت بنایا جاسکے''۔

۱۹۴۱ء کے بعد ہم نے بہت سے فاشسٹ طریقے اُدھار لیے۔ نورمبرگ میں صرف چند مجرموں کو سزا دی گئی' زیادہ تر ہماری مدد سے بچ نکلے۔ ۱۹۴۶ء میں پراجیکٹ پیپر کلپ کے ذریعے ایک ہزار سے زائد نازی سائنس دانوں کو خفیہ طور پر امریکا لایا گیا۔ ان میں کرٹ بلومے بھی شامل تھا جس نے آوش وٹس میں اعصابی گیس کا تجربہ کیا' اور کانرڈ شیفر بھی شامل تھا جس نے ڈیخاؤ میں ملزموں کے جسم میں زبردستی نمک داخل کیا۔ دواؤں اور سرجری کے ذریعے ذہنوں پر قابو پانے کے لیے تجربات سی آئی اے کے پراجیکٹ بلیوبرڈ کا حصہ تھے۔ جاپان کے ڈاکٹر شیرواشی کو جس نے منچوریا میں جنگی قیدیوں پر تجربات کیے تھے' حیاتیاتی اسلحے پر مشورے دینے کے لیے میری لینڈ لایا گیا۔ بیلسن کو آزاد کروانے کے ایک عشرے کے اندر اندر برطانوی فوجی ماؤ ماؤ کو کچلنے کے لیے کینیا میں اپنے نظربندی کیمپ چلا رہے تھے۔ الجزائر میں فرانسیسیوں نے تعذیب کی تکنیک گسٹاپو سے مستعار لیں' پھر یہ امریکیوں نے لاطینی امریکا کی آمریتوں کو ۶۰ اور ۷۰ کے عشرے میں پہنچائیں۔ امریکا کے کیوبا اور ڈیگو گارشیا کیمپوں میں آج ہم ان کو زیر استعمال دیکھتے ہیں۔

جنگ کے نتیجے میں ظلم کو تقویت ملتی ہے اور وہ اپنے زور پر آگے بڑھتا ہے۔ Taken by Force کا سبق ہے کہ کس طرح امریکی فوجی اپنے جنسی تشدد میں اضافہ کرتے چلے گئے' اور فوجی حکام اس کی گرفت کرنے میں آہستہ آہستہ نرم پڑتے چلے گئے۔ ٹھیک اس وقت' جب کہ ہم نازی ازم کی خرابیوں کو یاد کرتے ہیں اور جنھوں نے ان کو شکست دی ان کے حوصلوں کی تعریف کرتے ہیں' ہمیں دوسری عالمی جنگ پر اپنی خود اطمینانی کی کیفیت میں کمی لانی چاہیے۔ خاص طور پر ہمیں ان لوگوں پر بداعتمادی کرنا سیکھنا چاہیے جو اس کو حالیہ جنگ کے جواز کے لیے پیش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں جب تک جدا نہ ہوں سودے کو منسوخ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ پھر اگر وہ دونوں سچ بولیں اور جو عیب وغیرہ ہو وہ صاف صاف بیان کر دیں تو ان کے کاروبار میں برکت ہوتی ہے، اور اگر چھپائیں یا جھوٹ بولیں تو ان کے کاروبار میں برکت نہیں رہتی۔ (بخاری)

لیکویڈ گلوکوز بنانے والے

ڈائناٹیس پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

کورنگی انڈسٹریل ایریا۔ کراچی فون: 5062291-92

”روشن خیال“ تعلیم

سلیم منصور خالد

یوں تو کسی بھی ملک کے لیے تعلیمی نظام کی اہمیت مسلمہ ہے لیکن ایک نظریاتی مملکت کے لیے تو تعلیم کی فکری جہت اور اس کے معیار کو وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل اور اس کے قیام کے فوری بعد قائداعظمؒ نے اس بات کو بخوبی اُجاگر کیا کہ پاکستان کا نظامِ تعلیم کیا ہوگا اور تعلیمی پالیسی کی تشکیل میں کیا تعلیمی اہداف و مقاصد پیشِ نظر رکھے جائیں گے۔ اس کا ایک بھرپور اظہار انھوں نے' اپنی گرتی ہوئی صحت کے باوجود' پاکستان تعلیمی کانفرنس منعقدہ ۲۷ نومبر تا یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کے موقع پر کیا۔ کانفرنس میں وہ خود شریک نہ ہوسکے مگر اپنے پیغام میں پاکستان کے تعلیمی نظام کے خدوخال بخوبی واضح کر دیے تاکہ صحیح خطوط پر نظامِ تعلیم تشکیل پاسکے۔

المیہ یہ ہے کہ آج نصف صدی بعد پاکستان کے تعلیمی اداروں میں قائداعظم کے افکار سے کھلم کھلا انحراف کیا جا رہا ہے اور جو کچھ پیش کرنے کی کوشش ہو رہی ہے' وہ مملکتِ پاکستان کے بنیادی نظریے سے صریحاً متصادم ہے۔ اس ضمن میں چند پہلو ملاحظہ کیجیے: لڈی ڈانس' بھنگڑے گانے بجانے' میراتھن ریس' مینا بازاروں' تلک لگانے اور بسنت منانے کے ساتھ بڑے تواتر' اور کثرت کے ساتھ محافل موسیقی (میوزک شو) کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ جنرل مشرف کہتے ہیں: مجھے موسیقی پسند ہے۔ میں کلاسیکل پاپ موسیقی پر نوجوانوں کے ساتھ جھوم سکتا ہوں' دنیا میں پاکستان کا نرم تاثر (soft image) پیدا کرنے کے لیے موسیقی اور ثقافت [غالباً مغربی اور ہندووانہ] کا

سہارا لینے کی ضرورت ہے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۰ء کے دوران آرٹسٹوں کو نظرانداز کیا گیا' جس کے باعث انتہاپسندوں نے ہمارے [؟] بارے میں قائم نرم تاثر کو ملیامیٹ کر دیا''۔ (روزنامہ نواے وقت' لاہور' ۷ مئی ۲۰۰۶ء)

پاکستان بنانے والوں نے تو یہاں کے طالب علموں کی شخصیت کو ایک متوازن اور صحت مند انسان بنانے کے لیے پہلی کُل پاکستان تعلیمی کانفرنس (نومبر' دسمبر ۱۹۴۷ء) کی قرارداد نمبر۴ میں ایک مختلف لائحہ عمل دیا تھا' مگر وہ فرد جو قیامِ پاکستان کے وقت چار سال دو ماہ کا کم سن بچہ تھا' آج اسی قوم کی ملازمت کے دوران اختیارات کی امانت کا ناجائز استعمال کر کے حکمران بننے کے بعد اپنی اس قوم کو کسی اور ہی منزل تک پہنچانا چاہتا ہے۔ موصوف کے وزیرتعلیم بھی ایک ریٹائرڈ جرنیل ہیں اور قوم کو للکار کر کہتے ہیں: ''ہم پاکستان میں اتاترک کا نظامِ تعلیم لائیں گے''۔ جنرل موصوف غالباً نہ اتاترک سے واقف ہیں اور نہ وہ نظام تعلیم و تعلّم کا حدود اربعہ جانتے ہیں۔ اُن کی شہرت فقط یہ ہے کہ وہ اپنے نامۂ اعمال میں فرسودہ ریلوے انجنوں کی سوداکاری کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔

پاکستانی نظام تعلیم کی تشکیل کے حوالے سے پہلی قومی کانفرنس میں جو قرارداد منظور کی گئی تھی' اس میں تو نسلِ نو کو جسمانی تربیت دینے اور دفاعی صلاحیت پیدا کرنے کے مجاہدانہ کردار کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔ لیکن جنرل ضیاالحق کے دور میں نجی شعبے کو جو آزادی ملی اور نجی شعبے' بالخصوص بیکن ہاؤس سسٹم وغیرہ نے برگ و بار لانا شروع کیے تو سوچا گیا کہ چونکہ نجی شعبہ اپنے محدود کیمپسوں میں نیشنل کیڈٹ کور کی تربیت کا اہتمام نہیں کر سکتا' اس لیے جو لڑکے' لڑکیاں لازمی فوجی تربیت سے ۲۰ نمبروں کا فائدہ اٹھا رہے ہیں' اُن سے یہ تھوڑا سا امتیاز بھی چھین لیا جائے (اور انٹری ٹیسٹ کے نام پر مخصوص طبقوں کو آگے بڑھنے کی مزید سہولت بہم پہنچائی جائے)۔ یوں ۱۹۹۷ء میں نواز شریف صاحب کی حکومت نے تعلیمی اداروں سے این سی سی کے خاتمے کا اعلان کیا اور اب 'پاکستانی اتاترک' نے قوم کی رگوں سے جہاد' تربیت اور قومی جذبے کی اُمنگ کو کھرچ دینے کے لیے راگ' رنگ اور مستی کی لہر کے ساتھ مخلوط و بے باک کلچر کی ترویج کو ترقی قرار دیا۔

طلبہ و طالبات کے لیے مخلوط میراتھن ریس کے پروگرام کو دیکھیے: گوجرانوالہ کے ایگزیکٹو ڈسٹرکٹ افسر (تعلیم) نے ضلع بھر کے طلبہ و طالبات کے کالجوں کے پرنسپلوں کو اپنے خط (مورخہ

۳۱ مارچ ۲۰۰۵ء) میں حکم دیا: ''وزیراعلیٰ پنجاب کی ہدایات کے مطابق منی میراتھن ریس ۲۰۰۵ء ۳ اپریل ۲۰۰۵ء کو گوجرانوالہ اسٹیڈیم میں منعقد ہوگی۔

○ پہلا مرحلہ: تین کلومیٹر مرد ۹ بجے صبح اور تین کلومیٹر عورتیں ۹ بج کر ۱۵ منٹ صبح قائداعظم ڈویژنل پبلک اسکول، جی ٹی روڈ سے ریس شروع کریں گے۔

○ دوسرا مرحلہ: ۱۰ کلومیٹر مرد ۱۰ بجے صبح۔ ۱۰ کلومیٹر عورتیں۔ ۱۰ بج کر ۱۵ منٹ صبح قائداعظم ٹاؤن، علی پور بائی پاس سے شروع کریں گے۔

آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنے تدریسی عملے [خواتین اور مردوں] نیز اپنے کالج کے طالب علموں [لڑکوں لڑکیوں] کو لے کر میراتھن ریس کے مقام آغاز پر پہنچ جائیں۔ آپ (سرکاری ملازموں) کی حاضری، گوجرانوالہ جناح اسٹیڈیم میں ریس کے آغاز اور ریس کے اختتام پر لگائی جائے گی۔

پاکستان بنانے والی مسلم لیگ ۱۹۴۷ء میں نسلِ نو کی تعمیرِ ذات کے لیے ایک الگ لائحہ عمل رکھتی تھی، جب کہ آج کی مسلم لیگ یہ راستہ اختیار کر رہی ہے جس میں اسکولوں اور کالجوں کی لڑکیوں کو تین سے دس کلومیٹر تک شہر کی سڑکوں پر دوڑایا جائے۔ یہ کون سی تعلیم اور کون سی صحت مند سرگرمی ہے! یہ صحت مند سرگرمی سے زیادہ پاکستان کو ''اسلام کی دقیانوسی'' چادر سے نکال کر روشن خیالی کے اسٹیڈیم میں لانے اور تماش بینی کا بندوبست ہے۔

پاکستان کے نظامِ تعلیم کو آغا خان فاؤنڈیشن کے ادارے آغا خان بورڈ کے حوالے کرنے کا فریضہ انجام دینے والے جنرل مشرف اور ان کے وزیر تعلیم بعض اوقات حاکمانہ لہجے میں فرماتے ہیں: ''ہم آغا خان بورڈ کو جاری وساری کر کے دکھائیں گے''۔ اگر واقعی یہ ایک نجی ادارہ ہے تو پھر ہمارے حکمران اس کے دفاع کے بارے میں اتنے حسّاس کیوں ہیں؟ کیا آج تک کبھی کسی حکمران نے اور خاص طور پر کسی فوجی طالع آزما نے کسی پرائیویٹ ادارے کے لیے یوں سینہ تان کر دفاع کی جرأت دکھائی ہے؟ ان کی یہی سرگرمی بے شمار اندیشوں کو جنم دیتی ہے، حالانکہ خود آغا خان فاؤنڈیشن کی دستاویزات، عملی اعلانات اور اس پر تضادات کی بھرمار سے ہمارے حکمرانوں کی وکالت کا سارا کھیل چوپٹ ہوتا نظر آتا ہے۔

آغا خان بورڈ کے افسر اعلیٰ شمس قاسم لاکھا ایک ٹیلی وژن پروگرام میں بڑے پرسکون اور دلیل کے بغیر بات کرتے دیکھے گئے' جب کہ وزیر تعلیم جنرل جاوید اشرف سطحی الزام تراشی میں لپٹے اور غصّے کی حالت میں گرجتے پائے گئے۔ جنرل جاوید اشرف نے ۳۰ مارچ ۲۰۰۵ء کو پاکستان کے تمام ارکان قومی اسمبلی وارکان سینیٹ کو ایک خط (نمبر ای ایم ۲۰۰۵ء) بھیجا' عنوان تھا: ''آغا خان یونی ورسٹی ایگزامی نیشن بورڈ' اے فیکٹ شیٹ''۔ یہ فیکٹ شیٹ (حقائق نامہ) کیا تھی؟ تین صفحے کا تضادات سے بھرپور اور حقائق سے کوسوں دُور بیان اور اس کے ساتھ جنرل مشرف صاحب کا منظور کردہ آرڈی ننس' پھر آغا خان فاؤنڈیشن کے شمس لاکھا کا بیان بھی ہر رکن اسمبلی کے ہاتھ میں تھمایا گیا۔ اس میں پیش کردہ استدلال اپنے کیس کا دفاع کرنے سے قاصر' اور محض سیاسی پروپیگنڈا تھا۔

الماری کی زینت بننے والے دستور پاکستان کے مطابق جو صوبے اپنے دائرہ اختیار میں تعلیمی نظم و ضبط کے لیے خود مختار ہیں' انھیں جنرل جاوید اشرف کا یہی ''فیکٹ شیٹ'' والا وثیقہ بھیج کر دباؤ میں لانے اور جکڑنے کی کوشش کی گئی۔ پنجاب کی حکومت نے' ارکان اسمبلی کے نام بھیجے جانے والے اس وثیقے کی ہو بہو نقل صوبہ بھر کے اسکولوں اور کالجوں کے پرنسپلوں کو ارسال کر دی۔ کیا حکومت پنجاب بھی ایک ایسی نجی این جی او کی کاروباری مہم میں 'عوامی رابطہ کاری' کی حصہ دار بن چکی ہے؟ وہ این جی او جسے اپنا بورڈ چلانے کے لیے مکمل آزادی حاصل ہے' جس کا ''تصورِ قومی نصاب'' بالکل جدا ہے' جس کے اقدامات کو پاکستانی عدالتوں میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا' جس کی فیسوں کا تعین اس کی 'نیک نیتی' پر چھوڑ دیا گیا ہے' اور جس کے لیے پورا وطن عزیز کھلی چراگاہ ہے۔

وفاقی وزیر تعلیم یہ کہتے ہیں کہ: ''آغا خان بورڈ تو 'او لیول'، 'اے لیول کے لیے' ہے' تاکہ زرمبادلہ بچایا جائے۔ پھر یہ بورڈ پاکستان کا قومی نصاب ہی پڑھائے گا''۔ سوال کیا گیا: ''جناب' پاکستان میں تو 'او لیول'، 'اے لیول کا نہ کوئی نصاب ہے اور نہ نظام۔ پھر بھلا یہ کس طرح قومی نصاب کے دائرے میں آئے گا؟'' جواب حقارت آمیز خاموشی کی صورت میں ملا۔ پھر وزیر صاحب نے کہا: ''پاکستان کا تعلیمی معیار اور یہ بورڈ بڑے خراب ہو چکے ہیں''۔ سوال یہ ہے کہ کیا وزیر تعلیم نے پاکستان کے قومی اور سرکاری نظام تعلیم کو درست کرنے کے لیے وزارت کا قلم دان سنبھالا ہے' یا خرابی دیکھ کر اسے ٹھکانے لگانے' بیچ دینے اور قومی زندگی سے غیر متعلق بنانے کا بیڑا اٹھایا ہے؟